خطبۂ صدارت

(۹ نومبر ۱۹۸۰ء)

از

جناب جسٹس ایس ۔ انوار الحق
چیف جسٹس آف پاکستان

ناشر

اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور

خطبۂ صدارت

جسٹس ایس ۔ انوار الحق

معزز خواتین و حضرات !

اس محفل میں شرکت میرے لیے باعثِ مسرت بھی ہے اور باعث سعادت بھی ۔ میں اراکینِ اقبال اکیڈیمی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے آج مجھے یہاں مدعو کرکے میری عزت افزائی کی ہے ۔ اور مجھے یہ موقع بھی عطا کیا ہے کہ میں آپ سب کے ساتھ مل کر شاعرِ مشرق کے حضور عقیدت کے چند پھول پیش کر سکوں ۔ اس میں شک نہیں کہ ہر سال نہ صرف پاکستان کے طول و عرض میں ، بلکہ دنیا کے بہت سے ممالک میں بھی یومِ اقبال منایا جاتا ہے ۔ لیکن اس کثرتِ تکرار سے نہ تو اس رسم کی اہمیت میں آج تک کوئی کمی واقع ہوئی ہے ۔ اور نہ ہی اس کی افادیت میں ۔ بلکہ جوں جوں وقت گزرتا ہے علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفے کے نئے نئے پہلو اجاگر ہوتے جاتے ہیں اور اس امر کا احساس اور گہرا ہو رہا ہے کہ قوم و ملت کے مستقبل کی تعمیر اور عظمت کے لیے ضروری ہے کہ علامہ کی تعلیمات کو اچھی طرح سے سمجھا اور سمجھایا جائے ، تاکہ عوام ان سے اسی طرح فیضیاب ہو سکیں جس طرح گزشتہ پچاس ساٹھ سال میں تعلیم یافتہ طبقے نے کلامِ اقبال سے عالی ہمتی اور بلند فکری کا سبق سیکھا ہے ۔

مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے اگر میں یہ کہوں کہ آج کی یہ نشست نہایت ہی کامیاب اور دلچسپ رہی ۔ تقاریر نہایت ہی پرمغز اور مفید تھیں ۔ مقرر حضرات نے نہایت کاوش اور قابلیت سے

علامہ اقبال کے کلام اور نظریات پر روشنی ڈالی ہے ۔ ان کے خیالات یقیناً اُردو ادب کی اس صنف میں ، جسے اقبالیات کہا جاتا ہے ایک گرانقدر اضافہ ثابت ہوں گے ۔

خواتین و حضرات ! پاکستان کی تیس سالہ زندگی میں جو سیاسی ، معاشی اور اخلاقی بحران اور انقلابات آئے ہیں ، اور ان کی وجہ سے ملک و ملت کو جو نتائج بھگتنا پڑے ہیں ، وہ آپ سب کے سامنے ہیں ۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ان تمام حوادث کے باوجود ہم بدستور نظریاتی اور ذہنی انتشار میں مبتلا ہیں ۔ اور باہمی نفاق ۔ طعن و تشنیع ۔ صوبائی ، لسانی اور علاقائی تعصبات ، خود غرضی اور ہر قسم کی اخلاقی پستی کو شعار زندگی بنانے پر مصر ہیں ۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ماضی کی غلطیوں لغزشوں اور ناکامیوں سے سبق نہ سیکھنے کی ہم نے قسم کھا رکھی ہے ۔ خدا کرے کہ علامہ اقبال کی یادگار تقریبات نئے ولولوں ، اتحاد ، سیاسی استحکام باہمی اعتماد اور خوشحالی کی محرک و ضامن ثابت ہوں ۔

ذہنی اور نظریاتی انتشار کے جس دور سے قوم آج کل گزر رہی ہے ، اور ہماری انفرادی اور جماعتی زندگی میں جو فتور اور پستی آ چکی ہے ، ان کا تقاضہ ہے کہ ہم از سرِنو علامہ اقبال کے چشمہ فیض کی طرف رجوع کریں ، تاکہ نظریہ پاکستان کی تجدید کر سکیں اور اس بات کا جائزہ لے سکیں کہ اپنی انفرادی اور جماعتی زندگی میں ہمیں کن اقدار کو اپنانا اور استوار کرنا ہے ۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اقبال محض ایک شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک فلاسفر اور مفکر تھے ، جنہوں نے مسلمانانِ برصغیر ہندو پاکستان کے زوال اور زبوں حالی کا بنظر غائر مطالعہ کیا تھا اور بالآخر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں اپنے صدارتی خطبہ میں یہ تجویز پیش کی کہ مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل اپنی ایک علیحدہ اسلامی مملکت کا قیام ہے ۔ ایک ایسی سلطنت جس میں مسلمان اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کر سکیں ۔ اس علیحدہ سلطنت کی بنیاد

نسل ، رنگ اور زبان پر نہ تھی ، بلکہ ایک مشترکہ مذہبِ اسلام پر عقیدہ ، ایک خدا پر ایمان اور ایک رسول کی اطاعت گزاری پر تھی۔ علامہ اقبال اور قائد اعظم مرحوم و مغفور اچھی طرح سے جانتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان مختلف زبانیں بولتے ہیں ، مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں ، اور مختلف علاقوں میں بسنے کے باعث ان میں علاقائی اختلافات بھی ہیں ، لیکن ان سب اختلافات کے باوجود ان میں ایک بنیادی وحدت ، ایک ابدی یگانگت اور ایک روحانی رشتہ ایسا تھا ، جس کے باعث وہ ایک ملت کے افراد تھے ۔ جن کا ماضی ، حال اور مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ تھا اور جن کی بقا اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ وہ ایک قوم کی حیثیت سے اپنی ایک علیحدہ اور آزاد مملکت قائم کریں ۔

یہ ایک دلچسپ ، لیکن ٹھوس تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک قوم پہلے بنے اور اس علیحدہ قومیت کی بنا پر انھوں نے پاکستان بعد میں حاصل کیا ۔ ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ ان مسلمانوں نے بھی کیا جو ایسے صوبوں اور علاقوں میں بستے تھے جن کا پاکستان میں شامل ہونے کا کوئی امکان ہی نہ تھا ۔ مثلاً بہار ، اڑیسہ ، مدراس وغیرہ ۔ لہٰذا اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ جب ہم پاکستان کے مستقبل کے بارے میں غور کریں ۔ اس کے استحکام کی بات کریں ۔ اس کے آئینی ڈھانچے پر گفتگو کریں تو یہ بات فراموش نہ کریں کہ اس مملکت کی بنیاد نظریۂ اسلام پر ہے ۔ جس کی بدولت تمام مسلمانانِ ہند نے صوبائی اور علاقائی اختلافات کے باوجود ، اور ان سے بالاتر ہو کر اپنے آپ کو ایک ملتِ اسلامیہ تصور کیا ۔ اگر ہم اس بنیادی نظریے سے پہلو تہی یا غفلت و لاپرواہی سے کام لیں گے تو پاکستان کا مستقبل لازماً متاثر ہوگا ۔ ۱۹۴۷ء کی عظیم الشان اور بے مثال قربانیاں اس لیے نہ دی گئی تھیں کہ ہم اپنی کوتاہیوں اور خود غرضیوں کے باعث دوبارہ اغیار کے غلام اور دستِ نگر ہو جائیں ۔

آج ہم جن حالات سے دوچار ہیں ، اور اپنی تاریخ کے جس نازک موڑ پر کھڑے ہیں ، اور جس ذہنی اور نظریاتی انتشار کا میں نے اوپر

ذکر کیا ہے ۔ ان کا تقاضا ہے کہ دینِ اسلام کی صحیح روح اور دین اور سیاست کے باہمی تعلق کو سمجھنے کی خاطر علامہ اقبال کے خیالات سے استفادہ کریں ۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کے صدارتی خطبہ میں انھوں نے فرمایا:

''یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ بحیثیت ایک اخلاقی نصب العین اور نظامِ سیاست کے اسلام ہی وہ سب سے بڑا جزو ترکیبی تھا جس سے مسلمانانِ ہند کی تاریخ حیات متاثر ہوئی ۔ اسلام ہی کی بدولت مسلمانوں کے سینے ان جذبات و عواطف سے معمور ہوئے جن پر جماعتوں کی زندگی کا دار و مدار ہے ، اور جن سے متفرق و منتشر افراد بتدریج متحد ہو کر ایک متمیز و معین قوم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے اندر ایک مخصوص اخلاقی شعور پیدا ہو جاتا ہے ۔ حقیقت میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ دنیا بھر میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے ۔ اسلامی تمدن کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح کار فرما ہے ۔

میرا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندرونی اتحاد اور ان کی نمایاں یکسانیت ان قوانین و ادارات کی شرمندۂ احسان ہے جو تہذیب اسلامی سے وابستہ ہیں ۔''

اسی خطبے میں آگے چل کر اپنے اس نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے کہ اسلام میں مذہب اور حکومت ایک دوسرے سے الگ نہیں کیے جا سکتے ، علامہ اقبال ارشاد کرتے ہیں کہ :

''حقیقت یہ ہے کہ اسلام محض ایک کلیسائی نظام نہیں ، بلکہ ایک ریاست ہے جس کا اظہار روسو سے بھی کہیں پیشتر ایک ایسے وجود میں ہوا جو عقدِ اجتماعی کا پابند ہے ۔ ریاست اسلامی کا انحصار ایک اخلاقی نصب العین پر ہے ۔ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان زمین کے کسی خاص حصے یا خطے سے وابستہ نہیں ، بلکہ وہ ایک روحانی ہستی ہے جو اجتماعی ترکیب میں حصہ لیتا

ہے اور اس کے ایک زندہ جزو کی حیثیت سے چند فرائض و حقوق کا مالک ہے ۔"

اقبال کی شاعری میں غالب عنصر زمین پر اللہ کی حاکمیت ، انسانی ہمہ گیر برادری ، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار بطور مکمل انسان کا ایک نمونہ اور فرد اور ملت کے باہمی ربط پر مشتمل ہے اقبال کے نزدیک حکومت ایک آلہ کار ہے ۔ جو اہل ایمان کو اس نصب العین کے حصول میں مدد دیتی ہے جو خدا نے ان کے لیے مقرر کیا ہے ۔ اسلام میں یہ محض ایک دینی نظریہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک قوت بخش عملی اصول ہے ۔ جس کے ذریعے ایمانی قوت حاصل ہوتی ہے ۔ اور جو خوف خدا کے علاوہ ہر خوف سے انسان کو نجات دلاتا ہے ۔ اقبال کے نزدیک خدا کی وحدانیت پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خدا کے ساتھ وفادار رہے ۔ نہ کہ کسی تخت کے ساتھ ۔ اللہ کی حاکمیت کا تصور سیاست سے دوئی کو یکسر ختم کر دیتا ہے ۔ اور اس طرح یہ خیال کہ مذہب اور سیاست باہم اس طرح مربوط ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے ، اقبال کے سیاسی نظریات میں ایک گہری بنیادی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر قسم کی سیاست کے لیے روحانی بنیاد ضروری ہے ، اور یہی ایک صحت مند بنیاد ہے ۔

۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو اپنی وفات سے چند سال پیشتر اقبال نے قائد اعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ کی رہنمائی اور قیادت کو اپنے ہاتھ میں لینے پر آمادہ کیا ۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمان سیاست دانوں میں اس وقت مسٹر جناح ہی وہ واحد شخصیت تھے جو ایسی موثر قیادت مہیا کر سکتے تھے جس کے ذریعے ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی مقاصد بر آ سکتے تھے ۔ علامہ اقبال کی ژرف نگاہی کا یہ عظیم کرشمہ ہے کہ ان کی نگاہ انتخاب قائد اعظم محمد علی جناح پر پڑی ، جن کی سیاسی بصیرت اور کردار کی مضبوطی ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی نصب العین کی کامیابی کے لیے ضامن ثابت ہوئی ۔ یہ علامہ اقبال ہی تھے جنھوں نے قرار داد پاکستان دس سال قبل وہ فلسفیانہ و نظریاتی بنیاد مہیا

کی ، جس سے بالآخر مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ اسلامی مملکت کے حصول کو ممکن بنا دیا ۔

علامہ اقبال کی وفات پر قائدِ اعظم نے ان کی امداد و اعانت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا :

"میرے لیے وہ ایک دوست ، رہبر اور فلاسفر تھے ۔ ان تاریک لمحات میں ، جن میں سے مسلم لیگ کو گزرنا پڑا ، وہ ایک مستحکم چٹان کی طرح سہارا بنے رہے ۔ اور ایک لمحے کے لیے بھی کمزوری کا اظہار نہ کیا ۔"

ایک عظیم انسان کی طرف سے دوسرے عظیم انسان کی یاد میں اس سے بڑھ کر اور کیا اظہارِ عقیدت ہو سکتا تھا ؟ مجھے اور میرے ہمعصروں کو یہ فخر حاصل ہے کہ پاکستان کے ان دونوں عظیم رہنماؤں کو دیکھنے اور سننے کا موقع ملا ۔

اقبال کے نزدیک زندگی ایک ارتقا پذیر انجذابی عمل ہے اور اس کا مقصود مسلسل خواہشات اور نصب العین کی تخلیق ہے ۔ خودی کو مسلسل تگ و دو کی حالت میں رہنا پڑتا ہے تاکہ وہ بقا حاصل کر سکے ۔ خودی کی ارتقاء کی منزلیں ضبط نفس کے ذریعے طے ہوتی ہیں ۔ جن کے لیے خدائی احکام کی پیروی لازمی ہے ۔ اس طرح آخری مرحلے پر انسان کامل یا مرد مومن کا ظہور ہوتا ہے ، جسے ہم صحیح طور پر زمین پر خدا کا نائب یا خلیفہ کہہ سکتے ہیں ۔ یہ مکمل انسان خیر و صداقت اور اخلاقی قوت کا مجسم ہوتا ہے ۔ اقبال کے نزدیک اسی مردِ مومن یا انسانِ کامل کے ذریعے زمین پر آزادی ، امن اور انصاف کا دور دورہ ہوتا ہے ، اور اسی کے ذریعے فطرت کی طاقتوں پر انسان کو غلبہ حاصل ہوتا ہے ۔ اس کے پاس ایمانی قوت کا حوصلہ ہوتا ہے ۔ وہ اپنے اُصولوں کے اظہار اور ان پر عمل کے لیے جرأت رکھتا ہے اور اپنے ایمان اور نصب العین کے لیے ہر قسم کے نتائج کا مقابلہ کرنے اور قربانی دینے کے لیے تیار رہتا ہے دوسرے لفظوں میں وہ ساری زندگی ہر قسم کے شر ، فتنہ اور فساد کے خلاف جہاد کرتا رہتا ہے ۔

چونکہ اس کے جہاد کی منزلِ مقصود زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی حاکمیت کا قیام ، اور احکامِ الٰہی کا نفاذ ہوتا ہے ، اس لیے وہ اپنے ماحول ، حالات اور ضروریاتِ زمانہ کی روشنی میں اجتہاد کرتا ہے تاکہ اسلامی اصولوں اور اقدار کی اصلی روح کو اپنایا جا سکے ۔ اپنے اشعار میں اقبال بار بار مسلمانوں کو اپنی تخلیقی قوتوں کو بیدار کرنے کی تلقین کرتے ہیں ۔ ایک مقام پر خود اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ :

"میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسلام اور اسلامی فقہ و سیاست ، تہذیب و تمدن اور ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا ہے ۔ میرا خیال ہے کہ اس مسلسل اور متواتر تعلق کی بدولت میں نے اس امر کے متعلق ایک خاص بصیرت پیدا کر لی ہے کہ ایک عالمگیر حقیقت کے اعتبار سے اسلام کی حیثیت کیا ہے ۔"

خواتین و حضرات ! میں یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ کلامِ اقبال سے یہ بات نہایت واضح طور پر اُبھرتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو جہاد اور اجتہاد کی اہمیت اور ضرورت کا مسلسل احساس دلانا چاہتے ہیں ۔ ان دونوں کے بغیر نہ تو بدی اور باطل کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے ، اور نہ ہی اسلام کی ابدی اور بنیادی اقدار اور اُصولوں کو انسانی معاشرے کی لت نئی اور تغیر پذیر ضروریات اور تقاضوں کے مطابق برپا کیا جا سکتا ہے ۔ اگر ہم پاکستان میں ایک پاکیزہ اسلامی معاشرے کے قیام کے بارے میں سنجیدہ اور مخلص ہیں تو پھر ہمیں جہاد اور اجتہاد دونوں کو اپنانا ہوگا ۔

خواتین و حضرات ! میں اپنی گزارشات کو اس بات پر ختم کرتا ہوں کہ علامہ اقبال نے اس برصغیر میں مسلمانوں کے احیا کے لیے جو لافانی کردار ادا کیا ہے ۔ ہم ان کو ہمیشہ جذبہ شکر کے ساتھ یاد کرتے رہیں گے ۔ یہ اب ہمارا فرض ہے ، خاص طور پر ان لوگوں کا جو ملک کو ذہنی قیادت مہیا کر سکتے ہیں ، کہ وہ اس امر کا اہتمام کریں کہ اقبال کی تعلیمات اور فلسفہ کو صحیح معنوں میں عملی جامہ پہنایا جائے ۔ اور ہم ان اخلاقی اور سیاسی اداروں اور روایات کو ترقی دینے کے لیے پوری

توجہ دیں ۔ جن کے ذریعے قومی زندگی سنورتی ہے ۔ اور جن سے معاشرے میں انصاف ، خوشحالی اور مساوات وجود میں آتے ہیں ۔

آخر میں میں ایک بار پھر اراکین مجلس اقبال کا شکریہ ادا کرتا جنہوں نے میری عزت افزائی کی ہے ۔ اور اہل لاہور کو پاکستان کے اس عظیم فرزند کے حضور خراج عقیدت پیش کرنے کا موقع بہم پہنچایا ۔

پاکستان پائندہ باد

شیخ انوار الحق ۔ چیف جسٹس آف پاکستان